R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

ٹیلی فون — ۲۹
قیمت تین پیسے سالانہ
پانچ روپے

جلد ۲۳ - شمارہ ۴۶ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ دسمبر ۱۹۶۴ء

نادم سیتاپوری

مطالعات

ڈاکٹر اقبال کی ایک تنقید

لسان الہند مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی کا پہلا مجموعہ کلام تخمینًا چالیس سال اُدھر پہلی بار مولوی محمد صدیق نے صدیق بک ڈپو لکھنؤ کی طرف سے "گلکدہ" کے نام سے شایع کیا تھا۔ اور اب دوسرا اڈیشن "انجم کدہ" کے نام سے انجمن ترقی اردو (ہند) نے شایع کیا ہے۔ "گلکدہ" کا پہلا اڈیشن نایاب تو نہیں ہے لیکن کمیاب ضرور ہے۔ میری نظر سے بہت دن ہوئے "گلکدہ" (طبع اول) کا جو نسخہ گزرا تھا وہ ناقص الطرفین تھا اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس میں صرف اکبر الہ آبادی کے کسی خط کا حوالہ دیا گیا تھا جس میں اکبر نے عزیز کے کمال فن کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے۔

سخن میں اور تو اہل تمیز ہی ہیں فقط
شہید جلوۂ معنی عزیز ہی ہیں فقط

لیکن صدیق بک ڈپو لکھنؤ کی طرف سے "گلکدہ" کا ایک اشتہار ہفت روزہ "الواعظ" لکھنؤ جلد ۲۵ شمارہ ۲۵، ۱۶ اگست ۱۹۳۲ء (صفحہ ۹ کالم ۱) میں شایع ہوا تھا جس میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کی ایک تحریر بھی نقل کی گئی ہے۔ یہ تحریر غالبًا ڈاکٹر اقبال مرحوم کے کسی خط کا اقتباس ہے جس میں انھوں نے عزیز لکھنوی کی فن کارانہ عظمت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر اقبال کی یہ تحریر غالبًا ابھی تک "اقبالیات" کے سبجکٹ میں کوئی ممتاز مقام حاصل نہیں کر سکی۔ ڈاکٹر اقبال نے لکھا ہے۔

اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن
بھولتا ہی نہیں عالم تری انگڑائی کا

"سبحان اللہ۔ یہ بات ہر کسی کو نصیب نہیں۔ موجودہ ادبیات اردو کی نظر حقایق پر ہے اور یہ مجموعۂ غزلیات اسی نئی تحریک کا بہترین نمونہ ہے۔ تاہم کی جدت حیرت انگیز ہے غزل میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں عزیز کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ایک طرف ارباب ذوق لطف زبان اور فن کلام سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو دوسری طرف نو آزمودہ عزیز کے نقش قدم پر چل کر اعلیٰ درجے کے شاعر ہو سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر اقبال کا یہ تنقیدی تجزیہ اگر "گلکدہ" کے پہلے اڈیشن میں شامل نہیں ہے تو بھی اس اڈیشن کی کمیابی کو دیکھتے ہوئے اقبال کی تحریر بہر حال ایک اہمیت رکھتی ہے جو "لکھنؤ اسکول" کے فنی کمال کا ایک عالمانہ اور فراخدلانہ اعتراف ہی نہیں ہے بلکہ "نئی غزل" کا ایک عمیق تجزیہ بھی!

سرشار کا فسانۂ لطافت بار

"فسانۂ آزاد" کے بعد "سیر کہسار" رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری کا کامیاب ترین کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کا پہلا اڈیشن (مطبوعہ ۱۸۹۰ء) اب کمیاب ہے۔ اس کے سرورق سے ایک عجیب قسم کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "سیر کہسار" ...

اس شمارے میں

سرنامہ "فسانۂ لطافت یار" بھی تھا! یا پھر "سیر کہسار" فسانۂ لطافت یار کا دوسرے حصے کا نام ہے۔

اس زمانے میں اکثر کتابوں کے دو دو نام رکھنے کا عام رواج خود سرشار کے ناول "جام سرشار" کا نام پہلے "فسانۂ جدید" تجویز کیا تھا "جام سرشار" بعد میں بدلا گیا۔ چنانچہ "سیر کہسار" کے طبع اول (۱۸۹۰ء) صفحہ ۲ پر جام سرشار بالتصویر" کا جو اشتہار شایع ہے اس میں لکھا ہے۔

"مصنفہ پنڈت رتن ناتھ در لکھنوی متخلص بہ سرشار۔
ناولوں میں ایک مشہور و دلچسپ فسانہ ہے۔ پہلے نام
اس کا "فسانۂ جدید" تھا پھر مصنف نے بعد نظر ثانی و
ترمیم عبارت وغیرہ کے نام اس کا تبدیل کیا۔ و قتی
جس نے ایک دفعہ اس کا مطالعہ کیا الطیف و مذاق
"سیر کہسار" سے پڑھ کر اس کی خوبی و رنگینیٔ عبارت
کا مداح ہوا"

(قیمت درج نہیں ہے)

"سیر کہسار" طبع اول (۱۸۹۰ء) کے جس سرورق سے [اس] قسم کا خیال پیدا ہوا اس کے چاروں کونوں پر بطور رباعی ایک [ایک] مصرع درج کیا گیا ہے۔

[...] آج سخن وروں میں فایق ہے تو   ذی فہم و ذکی۔ ذہین لایق ہے تو
[...] پایۂ چرخ ہے تری فکر بلند   .... غواص و دقایق ہے تو

سرورق کی نثری عبارت ـــــ!

فسانہ لطافت یار

جلد دوم

سیر کہسار

کہ ہندوستان کے فخر و افتخار مشہور روزگار پنڈت
رتن ناتھ صاحب سرشار لکھنوی کی بحر مواج طبع کا لہرہ ہے
تو کون جواہر سخن ہے لاریب
ہے نام رتن ناتھ بھی موزوں تیرا
اس نادر روزگار فسانہ عدیم السہیم و فقید المثل میں
حسب ایمائے منشی نول کشور سی۔ آئی۔ ای مصنف
عالی دماغ نے جادو طرازی اور معجزہ پردازی کا خاتمہ
کر دیا ہے فصاحت اس کی لونڈی کا نام ہے تو سحر
اس کا غلام ہے نثر نثرہ نثار ہے تو شعر شعری شعار!
حق تصنیف و طبع مطبع ہذا کو حاصل ہے
بار اول ۱۸۹۰ء میں بمقام لکھنؤ

ورق شکستہ اور بوسیدہ ہے اس لیے "مطبع اودھ" کے بعد الفاظ [اخ]بار لکھنؤ" غائب ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایڈیشن مطبع اودھ اخبار [لکھ]نؤ ہی میں چھپا تھا۔

فسانۂ لطافت یار (جلد دوم) سیر کہسار۔ ایک معمہ ہے جس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "فسانۂ لطافت یار" سیر کہسار کا پہلا حصہ تھا اور یہ دوسری جلد ہے! اور یہ بھی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ "سیر کہسار" دو حصوں پر منقسم تھا۔ لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے "سیر کہسار" کی ایک ہی جلد چھپی تھی۔ اور "فسانۂ لطافت یار" نام کی کوئی کتاب سرشار کی تصانیف میں ابھی تک میری نظر سے نہیں گذری۔ ممکن ہے ارباب فکر و نظر کے سامنے کوئی ایسا دستاویز موجود ہو جو اس گتھی کو سلجھا سکے۔

سرشار کا ایک قطعہ تاریخ

پنڈت رتن ناتھ سرشار کا ذکر آ گیا تو مہاراجہ کرشن پرشاد شاد حیدرآبادی مرحوم کی علم دوستی اور معارف پروری کا ایک واقعہ مرحوم "اودھ پنچ" لکھنؤ (۱۲۔ اپریل ۱۹۰۰ء شمارہ ۵ جلد بست و چہارم) کی زبانی بھی سن لیجیے۔

"عالی جناب مہاراجہ پیشکار بہادر وزیر فوج دکن نے
ایک تیغ اصفہانی "بطیب خاطر پنڈت رتن ناتھ صاحب
سرشار کو عطا فرمائی۔ اتنی بڑی ریاست جلیلہ (الہم زد فزد)
کے کمانڈر انچیف اور وزیر فوج کا خلعت فاخرہ و شمشیر
عطا کرنا چھوٹی بات نہیں ہے۔ پنڈت صاحب
(سرشار مرحوم) نے یہ تاریخ لکھی:۔

زمہاراجہ وزیر فوج آصف   عطا شد قبضۂ تیغ صفاہاں
مہاراجہ امیر فیض گستر   مہاراجہ مہاراجائے راجہاں
چہ نورانی جبین پرضیایش   تو گوئی پرتو خورشید تاباں
بماند شاد و دایم شاد و آباد   بماند تا ابد خنداں و فرحاں
چہ خوش سرشار ہجری سال خلعت   نوشتہ۔ جوہر شمشیر براں

۱۳۱۷ھ

جگت استاد منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی نے بھی بے مثل تاریخ فرمائی۔ وہو ہذا

پہلے تھے صاحب قلم تلوار دی مہاراجہ نے   اوج پر تقدیر آئی زیر دشمن ہو گئے
مصرع تاریخ اس خلعت کا اچھا ہو امیر   صاحب سیف آج سے سرشار قطعا ہو گئے

۱۳۱۷ھ

شمس الضحیٰ

"سرشار" کی تصانیف میں "شمس الضحیٰ" کون سی کتاب ہے؟ کم از کم میری کم نگاہی "ابھی تک اس کا کوئی جواب تلاش نہیں کر سکی۔ لیکن میر غلام حسنین قدر بلگرامی (تلمیذ غالب) کے کلیات (کلیات قدر بلگرامی مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۳۵۰) میں ایک قطعہ تاریخ اس سرنامے کے تحت ملتا ہے۔

"تاریخ کتاب شمس الضحیٰ مؤلفہ پنڈت رتن ناتھ صاحب لکھنوی"

اس فارسی قطعہ میں سات شعر ہیں جن میں یہ دو شعر بھی شامل ہیں:۔

ہجری از شمس الضحیٰ بہاست علوی زتنا بہاست   اخر چند و مصراع قدر شد دو تا تاریخ
مہر نیم روز عصر وقت مہر با بہاست   روز علم لامع شد در جہان لطف حق

۱۸۸۲ء   ۱۲۹۹ھ

لیکن اس قطعہ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ یہ رتن ناتھ لکھنوی وہی ہیں جن کا تخلص "سرشار" ہے۔

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

ہمارے مشاعرے

گذشتہ ماہ انجمن ترقی اردو کی کانفرنس میں شرکت کے سلسلے سے پونہ جانے کا اتفاق ہوا۔ کانفرنس کے دن بھر کی کارروائی کے بعد شب میں مشاعرے کا اہتمام تھا۔ تین دن انجمن کے اجلاس ہوئے اور تینوں شب مشاعرہ کا شغل بھی جاری رہا جس کے معنی یہ تھے کہ بانیان کانفرنس کے نزدیک جلسوں کی خشک کارروائی کے بعد حاضرین کے لیے فضا میں کسی قدر رنگینی کا عنصر ضرور تھا۔ دن بھر کی تھکن کے باوجود مشاعرہ میں سامعین کی تعداد غیر معمولی ہوتی۔ اس لگن اور ذوق و شوق کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ جس زبان میں اس قدر لوچ، شیرینی اور دل کشی ہے کہ اپنے سننے والوں کو کشاں کشاں اپنی طرف کھینچتی ہے وہ زبان فنا نہیں ہو سکتی اس مشاعرہ میں ڈاکٹر سیوز نانند جی نے بھی اپنا کلام سنایا۔ ان کی ایک غزل تو اس قدر فارسی آمیز تھی کہ اردو کے ساتھ ان کا دیرینہ سلوک دیکھتے ہوئے حیرت ہوتی تھی۔ بہر نوع ان کا اردو میں اس قدر پاکیزہ شعر کہنا اردو کے معجزات میں سے ہے اور یہ معجزہ اس کی برتری پر دال ہے۔

اب تک جو کچھ کہا گیا وہ محض تمہید تھی۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ان مشاعروں کو دیکھ کر ذہن میں بہت سے سوال پیدا ہوئے ابھی یہ خیالات ذہن میں گردش ہی کر رہے تھے کہ "ہماری زبان" میں پروفیسر آل احمد سرور صاحب کا مضمون "مشاعروں کا موسم" پڑھ کر سمند شوق پر تازیانہ ہوا اور وہ خیالات جو ذہن میں آوارہ تھے صفحۂ قرطاس پر آکر مجتمع ہو گئے۔

مشاعرے ہماری ادبی، سماجی اور تہذیبی زندگی کے آئینہ دار ہیں۔ اس کے سلیقے اور پاکیزگی پر ہماری تہذیبی زندگی کے اظہار کا انحصار ہے۔ یوں تو جہاں ادب کی سرگرمیاں ہیں وہاں شعر و سخن کے چرچے ناگزیر ہیں۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مشاعرہ اپنی ہیئت کذائی کے ساتھ زمانہ قدیم یا زمانہ حال میں ایران یا عرب یا ممالک مغرب میں کہیں نہیں ملتا۔ یہ درحقیقت اس تہذیب کا دین ہے جو مغلوں اور ان کی حکومت کے سہارے مرحوم دہلی اور لکھنؤ میں پروان چڑھی یہی سبب ہے کہ مشاعروں کو ہم نے ہمیشہ ایک عظیم ورثہ سمجھا۔ جب کسی مشاعرے کے بارے میں یہ سنا جاتا ہے کہ وہاں شعرا یا سامعین نے کسی قسم کی لغویت کا اظہار کیا تو بے اختیار ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے اور یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی ہماری وہ تہذیب کے نمائندے ہیں جن کو قوم نے ادب کی حفاظت کی ذمہ داری سپرد کی ہے اور کیا یہی وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ

اردو ایک ایسی مشترکہ تہذیب کی علامت ہے جس نے ی…
دیر ہیں۔ سبحہ و زنار اور دیر و حرم کے تفرقے یک بار ختم کر دیے…
بلکہ خیال ہوتا ہے کہ مشاعرہ ایک ایسی رزم گاہ ہے جہاں ایک ش…
دوسرے پر فوقیت لے جانے کی تمنا اور اس کو نیچا دکھانے …
غرض سے میدان میں کودتا ہے۔ اور جہاں سامعین کی دا…
اپنی حدوں سے آگے بڑھ کر بے داد بن جاتی ہے۔ بقول …
سرور صاحب" ان میں ہنگامہ زیادہ شاعری کم ہوتی ہے۔" غر…
یہی حالات ہیں جن کی بنا پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ مشاعرے کے آداب کیا ہونے چاہئیں؟
۲۔ شاعر کا اس مشاعرہ میں رول کیا ہو؟
۳۔ سامعین کے فرائض کیا ہیں؟
۴۔ منتظمین مشاعرہ کو کن باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے؟

سب سے پہلے سوال خود مشاعرہ کے آداب کا پید… ہوتا ہے۔ مشاعرہ کی اہمیت اور افادیت مسلّم۔ اس کی مقبولی… سے انکار ممکن نہیں۔ مگر کیا ضرور ہے کہ اس کو اس قدر طو… دیا جائے کہ طبیعت میں تکدّر پیدا ہو جائے اور زندگی کے دوس… ضروری کام اس کی نذر ہو جائیں۔ شب بیداریاں دن کے فرائ… کے لیے ایک سنگ گراں بن جائیں۔ مشاعروں کی رونق حقیق… راتوں میں ہے مگر اس کا دائرہ محدود کرنا ہوگا آج زندگی کی کشمک… اس قدر شدید اور آویزش اس قدر سخت ہے کہ شب کی بیدا… دن کے فرائض کی قیمت پر برداشت نہیں کی جا سکتی۔ وقت… حد بندی اسی وقت ممکن ہے کہ جب اچھے شعرا اپنا منتخب کلام سنا… اچھے شعر روح کی تازگی کا سبب ہوتے ہیں۔ سامعین جب … گاہ سے اٹھیں تو محسوس ہو کہ ان کی روح بیدار اور ذوق اد… تازہ ہوا ہو۔ بُرے اشعار کا تکدّر لے کر اٹھے تو شعر و ادب سے تنفر… کی ذمہ داری شعرا پر ہوگی۔

شاعر کا رول اس مشاعرہ میں کیا ہو یہ دوسرا اہم سوا… ہے اور سچ پوچھیے تو اس پر ہی مشاعرہ اور معاشرہ دونوں… کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہے۔ شاعر کو یہ احساس ضروری… کہ وہ محض ایک شاعر ہی نہیں بلکہ ایک معلم اخلاق بھی ہے سینکڑ… اور ہزاروں لوگوں کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی ہیں اور کان اس… طرف متوجہ ہیں۔ اس کا ایک ایک شعر زبانوں سے نکل کر… کی لامحدود وسعتوں میں گردش کرے گا۔ اس لیے غزل پڑ… سے پہلے وہ ایک دفعہ اپنا محاسبہ کر لے کہ شعروں کا انتخا… اس کو رسوا تو نہیں کر دے گا۔ محض سامعین کی توجہ اپنی طر… مبذول کرانے کے لیے کہیں وہ اپنی سطح سے نیچے تو نہیں آ… اگر وہ مزاحیہ کلام بھی پڑھ رہا ہے تو اس کے ہاتھ سے وقا… اور متانت کا دامن تو نہیں چھوٹ گیا۔ وہ جب ڈائس …

ٹھے تو یہ سمجھ کر اٹھے کہ اس نے شعر نہیں پڑھے بلکہ حسنِ خیال
ر ذوقِ ادب کے بلند نمونے پیش کیے ہیں۔

مشاعروں کا ایک تاریک پہلو یہ ہے کہ اکثر شعرا
اعرہ گاہ میں اس طرح پہونچتے ہیں کہ۔

پا بدستِ دگرے دست بدستِ دگرے

اس سرمستی بلکہ بدمستی میں جو مضحکہ انگیز صورتِ حال پیدا ہوتی
ہے وہ ہر ادب کے شایق کے لیے تکلیف دہ ہے اور اردو
کے لیے انتہائی شرمناک۔ اگر شاعر کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے
یا ضرور ہے کہ اس کا اشتہار بھی دیا جائے اور اظہار
نیت اور اصرار علی المعصیت کی شان پیش کی جائے۔ میں نے
شعر و ادب کی بعض ممتاز شخصیتوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ حضرات
ں پر آئے تو اپنے ہوش سے بیگانہ تھے۔ لوگ ان سے
پڑھنے کی فرمائش کر رہے ہیں اور وہ تمام ڈائس پر نجاست
ا رہے ہیں۔ شاعر کو مشاعرہ میں خاص آداب اور رکھ رکھاؤ
ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔ میں نے جگر مرحوم کو اس زمانے
ر بھی مشاعروں میں شرکت کرتے دیکھا جب وہ عالمِ
تی میں ہوتے مگر یہ سرمستی کبھی بدمستی نہ بننے پائی۔ شاعر کو
ذ رحمانی کہا جاتا ہے اور جب تلمیذِ رحمانی کا یہ حال ہوگا تو
سروں پر کیا گزرے گی۔

زیادہ تر مشاعروں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ شاعر ان
وں اور نظموں کو مشاعرہ میں پڑھتا ہے جن کو متعدد بار
ف مشاعروں میں پڑھ چکا ہے۔ چبائے ہوئے نوالوں
بانا خواہ کتنے ہی خوش ذائقہ ہوں" کوئی خوش گوار کام
ں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شاعر
ب کہہ رہا ہے کہ آپ میرا تازہ کلام سنیے مطلوبہ غزل یا
بہت پرانی ہے مگر عوام کی جانب سے اسی کلام کا تقاضا
یا رہا ہے۔ یہاں پر شاعر کو جذباتِ عوام کے احترام
، باوجود یہ کوشش کرنا چاہیے کہ وہ اپنے تازہ کلام
ے سامعین کو مستفید ہونے کا موقع دے۔ اسی ذیل
، ایک امر کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ
شاعر اپنے مخصوص مذہبی معتقدات اور سیاسی نظریات
ا ہے۔ ہم کسی شاعر کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے معتقدات
ے الگ ہٹ کر سوچے یا فکرِ سخن کرے۔ مگر اس بات کا خیال
نا ضروری ہے کہ وہ اس کے اپنے ذاتی معتقدات ہیں عوام
ے سامنے وہ آفاقیت کا علم بردار بن کر آرہا ہے اس لیے
نظریات کو پیش کرے جو پروپیگنڈہ کی بجائے کچھ اخلاقی
اجتماعی تصورات سے بھرپور ہوں۔ اسی کے ساتھ
سروں کے مسالک کا مضحکہ کرنا یا ایسے اشعار سنانا جو
شخصیات پر طنز ہوں کسی طرح بھی مستحسن فعل نہیں کہا جا سکتا۔

افسردہ اگر اس کی نوا ہو تو گلستاں　　بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغِ سحر خیز

مشاعروں میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شاعر نے اپنا کلام
سنایا اور مشاعرہ سے اٹھ گیا اور لطف یہ کہ باقاعدہ مائک
پر نشر کر کے اٹھا تاکہ صرف چند لوگ اس سے واقف نہ
ہوں بلکہ ہر شخص آگاہ ہو جائے۔ اوّل تو مشاعرہ کے درمیان کسی
کا اٹھنا آدابِ محفل کے خلاف ہے اگر ذاتی اس کا اٹھنا
ناگزیر ہے تو اس طرح اٹھے کہ منتظم کے علاوہ اس کے جانے
کا احساس کسی کو نہ ہو (منتظم کو اطلاع بے حد ضروری ہے)

سب سے آخر میں مگر اہمیت کے اعتبار سے مقدم ایک
بات اور ہے اور وہ یہ کہ میں اکثر سوچتا ہوں کہ آج کا شاعر
صرف شاعر ہی نہیں ہے۔ وہ پروفیسر ہے۔ ٹیچر ہے۔ سکریٹری ہے۔
سپرنٹنڈنٹ ہے۔ تاجر ہے۔ غرض اس کا دامن کسی نہ کسی ایسے
ادارے سے وابستہ ہے جو اس کی معاش کا کفیل ہے۔ اس کا
ضمنی پیشہ مشاعروں کی آمدنی ہے۔ پھر اس کے لیے سودے بازی
الحفیظ الاماں۔ گویا شاعر ایک دکان ہے جس پر ہر قسم کا مال
فروخت ہوتا ہے۔ ایک شاعر کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے
اپنا نرخ لکھ کر کسی جگہ آویزاں کر دیا تھا۔ میر۔ غالب۔ مومن۔ داغ
غرض جس کے رنگ میں شعر کہلوانا ہو اس کا نرخ یہ ہے۔ شاعر
کا مزاج اور ظرف اس سود و زیاں سے بالاتر ہونا چاہیے۔ اس کا
صلہ صرف "تحسین سخن فہم" ہونا چاہیے۔ ہاں اس کا ضرور اہتمام
ہو کہ شاعر سفر کر کے آیا ہے۔ اس لیے اس کا بار اس کی جیب
پر نہ ہو۔ بے چارہ اپنے پاس سے خرچ بھی کرے اور کلام بھی
سنائے۔ اس کا سفر خرچ اور قیام و طعام بلکہ اگر کسی تاریخی مقام میں
مشاعرہ ہے تو اس کی سیر بھی منتظمین مشاعرہ کے ذمے ہونا چاہیے
نذرانہ صرف دو حالتوں میں جائز ہے یا تو منتظمین نے مشاعرے پر
ٹکٹ لگایا ہے یا شاعر کی مالی حالت اس کی متقاضی ہے اب نذرانہ
کے خلاف جو جذبہ پیدا ہوا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ منتظمین
نذرانہ دے کر خیال کرتے ہیں کہ وہ ہر فرض سے سبکدوش ہو گئے
اور شاعر کا حشر اس ووٹر کا ہوتا ہے جو ووٹ دے کر کیمپ سے
باہر نکلا ہے۔ اسی طرح شاعر کو جس وصف پر ناز ہے کہ وہ خودداری
اور خود اعتمادی کا حامل ہے اس کو ٹھیس پہونچتی ہے۔ اگر شاعر کا
مطالبہ زیادہ ہے اور اس لیے منتظمین اس کو بلانے سے قاصر ہیں
اور سامعین ایک اچھے شاعر کا کلام سننے سے محروم ہوتے ہیں
تو میں ایسی صورت میں نہایت ادب سے دریافت کروں گا کہ
ادب نوازی، شعر پروری اور خدمتِ زبان کا دعویٰ کہاں گیا۔
وہ خون جو اردو کے پسینہ پر گرنے کے لیے تیار تھا وہ کہاں گیا۔
اگر آپ یہ ایثار بھی نہیں کر سکتے۔ بعض لوگ دلیل کے طور پر یہ عذر

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

زوار حسین اختر

ہر زمانے میں منصور ہوتے رہے

ہر زمانے کا ہے یہ چلن دوستو
ہر زمانے میں منصور ہوتے رہے
کشتِ دل میں سدا
علم و عرفان کا وہ بیج بوتے رہے
دن کو دن
رات کو رات کہتے رہے
سخ طلبیوں کا ہر وار سہتے رہے
اپنی رو میں مگر آپ بہتے رہے

لیلیٰ دار کا رخ نکھرتا رہا
حسن بڑھتا رہا
لالہ و گل سے گیسو سجاتی رہی
دل کے زخموں کو اپنے چھپاتی رہی
مسکراتی رہی
گنگناتی رہی
ہر زمانے میں منصور ہوتے رہے
ہر زمانے کا ہے یہ چلن دوستو

اشفاق احمد اعظمی

یہ داغ داغ کہانی

داغ ہے چاند میں
اور دل میں بھی ہے
داغ سے کوئی دل آج خالی نہیں

زندگی داغ ہے اس دیئے کی طرح
بجھ چکا ہے جو اپنا دھواں چھوڑ کر
روشنی کے نقوشِ رواں چھوڑ کر
یہ مرا داغِ دل ان کی یادوں سے ہے
جا چکے ہیں جو بزمِ جہاں چھوڑ کر

داغ ہی داغ لگتا ہے سارا بدن
اپنے ماحول کا

کرشن چندر تحریری و تقریری مقابلہ

۲۲ر نومبر ۶۲ء "تربیتی مرکز ہال میں "کرشن چندر تحریری و تقریری مقابلہ" ہوا۔ اس پروگرام کی صدارت جناب پیر محمد رحمانی صاحب نے فرمائی اور جج صاحبان کے فیصلے کے مطابق ذیل کے انعامات تقسیم کیے گئے:۔

۱۔ اردو ہندی لغت .... اختر الہ آبادی
۲۔ (الف) تعلق (تاریخی ناول) .... لطیف ادیبی
(ب) دادر پل کے بچے، پھول اور پتھر..... احمد عثمانی
۳۔ رعایتی انعام:۔ ستیارتھ پرکاش (ہندی کتاب)..... مدن گ...
(کاکانی ودیالیہ مالی...

جج کے فرائض مندرجہ ذیل حضرات نے انجام دیئے:۔
۱۔ محترم ڈاکٹر شیخ محمد سلیم صاحب (صدر بلدیہ مالی گاؤں)
۲۔ حضرت قمر مالی گانوی صاحب (مالیگاؤں ہائی اسکول)
۳۔ شری عباشبدے صاحب (پرنسپل میونسپل مراٹھی ہائی...
۴۔ پروفیسر عبدالحفیظ صاحب ایم۔اے (ایم۔ ایس۔ جی... کیمپ مالی گاؤں)
۵۔ جناب نذیر احمد صاحب (پرنسپل جمہور ہائی اسکول مالی گ...
۶۔ جناب امان اللہ خاں صاحب ... ٹی۔ٹی ہائی اسکول۔ مالی گ...

انعامی مقابلے کے اخیر میں جناب محمد طاہر صاحب ... (وائس پرنسپل، اردو ٹریننگ کالج۔ مالی گاؤں کیمپ) نے "محبوب افسانہ نگار..... کرشن چندر" کے عنوان پر ایک مقالہ ... کیا۔ جو سب سے زیادہ پسند کیا گیا۔

دورانِ تقریب، جناب شوکت عزیز صاحب (... چیرمین امیونسپل اسکول بورڈ، مالی گاؤں) نے اعلان کیا ... غالب اکیڈمی۔ بنارس کی اپیل پر آئندہ ۲۷ر دسمبر ... کو انجمن "ترقی اردو شاخ مالی گاؤں کی جانب سے "یوم غ... منایا جائے گا۔ جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت ا... پروگرام ہوگا۔ (شعبان انصاری سکریٹر...

تصحیح

۱۵ر نومبر کے "ہماری زبان" میں بھوپال سے ... تحقیقی مقالے" کی سرخی کے تحت جو خبر چھپی تھی ا... میں جناب ابو محمد سحر کے مقالے کا عنوان "ناسخ کی ار... ادب کو دین" چھپ گیا تھا جو غلط ہے۔ موصوف کے ... مقالے کا موضوع "اردو ادب میں امیر مینائی کا حصہ...

انصار اللہ نظر

جاپان میں اردو

یہ کہنے یا بتانے کی ضرورت نہیں کہ اردو ایک
زبان ہے کیوں کہ اردو نے خود اتنی بار زندہ ہونے
ت پیش کیا ہے کہ اس سے کٹر سے کٹر دشمن بھی بوکھلا بوکھلا
ہیں۔ زمانے کے تمام حادثات کا مقابلہ کرتی ہوئی اہنستی
یہ زبان قدم بہ قدم ترقی کی منزلوں کو طے کرتی آگے اور
بڑھتی جا رہی ہے، اس کی ترقیوں کو دیکھکر اس کے
وں کو بھی اکثر حیرت ہوئی ہے اس میں عجیب صلاحیتیں
دہ ہر مشکل کو نہ صرف آسان کر لیتی ہے بلکہ ہر "سنگ راہ"
نعال کرتی ہے اور اس طرح کہ وہی اس کے لیے اثاثہ
جاتا ہے، ہر زحمت جو اس کے سامنے آکھڑی ہوتی ہے
یہ پاس پہنچتی ہے تو اسے رحمت بنا لیتی ہے گویا یہ اکسیر
جو ہر چیز کو سونا بنا دیتی ہے۔

دلی میں حالات بگڑے، اسے وطن چھوڑنا پڑا خیال
اس پر تباہی آگئی، خانماں برباد لکھنؤ پہنچی، اہل لکھنؤ کے
ں میں گھر کر لیا، حالت یہ ہوئی کہ لکھنؤ والوں نے اسے
طرح اپنایا کہ دلی والوں کے مقابلہ کے لیے بھی تیار
گئے اور اسے اپنی زبان بنا کر مانے، لکھنؤ پر تباہی آئی،
بان اور تباہ حال رامپور اور حیدرآباد کا رخ کیا،
شتگی اور شائستگی کا سکہ دلوں پر بٹھا دیا مدتوں اہل
پور اور اہل حیدرآباد اس پر اپنا اجارہ جتاتے رہے
ے گھر تنگ ہوا دوسرا اس سے بڑا مکان حاصل کیا، اس
ن سے نکلی تو پورے علاقے پر قابض ہو گئی، زمانے نے
ٹ بدلی، اہل وطن نے التفات کم کیا اس نے دنیا کے
دراز مقامات تک سے خراج عقیدت حاصل کر لیا۔ آج
ے کے تمام ترقی یافتہ ممالک میں اردو سے دلچسپی لی جاتی
ہے۔ اس زبان کی ترقیوں کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی؛
یک زندہ زبان ہے اس میں ترقی کرنے کی تمام تر صلاحیتیں
ود ہیں، آج کی صحبت میں ہم جاپان میں اردو کی حالت
ذکر کریں گے۔

گذشتہ سال مجھے ایک جاپانی عالم سے نیاز حاصل
ا جن کا نام سوزوکی تاکیشی Takeshi Suzuki ہے،
م سے ظاہر ہے کہ موصوف جاپانی الاصل ہیں، عجیب صلاحیتوں
ر لیاقتوں کے شخص ہیں اپنی مادری زبان کے علاوہ کئی غیر
ں زبانوں سے واقف ہیں جن میں انگریزی اور اردو خصوصاً
قابل ذکر ہیں اردو کی ابتدائی تعلیم غالباً اپنے وطن ہی میں پائی، اس کے بعد کراچی سے اعلیٰ سند حاصل کر کے اس وقت ٹوکیو یونیورسٹی آف فارن اسٹڈیز میں اردو کے لکچرر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں، اردو سے موصوف کو اتنی دلچسپی ہے کہ انتہائے خلوص سے اسے "اپنی عزیز زبان" کہتے ہیں، اس کی ترقی کے کاموں میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں، خلوص اور سعی پیہم ہی کا نتیجہ ہے کہ گذشتہ سال چودہ طلبا نے اردو کے کلاس میں داخلہ لیا، امسال بارہ طلبا نے اردو میں گریجویشن کیا ہے، اردو کی مقبولیت اور ضرورت (Demand) کا اندازہ اس سے کیجئے کہ تمام گریجویٹوں کو تجارتی کمپنیوں میں اعلیٰ ملازمتیں بھی مل گئیں، اردو کے علمی کاموں کی طرف متوجہ ہونے والے لوگوں کی کمی محسوس کی جا رہی ہے اس کے لیے خود پروفیسر موصوف کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:۔

> "اگلے سال ہمارے شعبہ کے بارہ طلبا گریجویٹ ہو رہے ہیں ان سب کو اچھی ملازمت مل چکی ہیں ہماری یونیورسٹی کے اکثر طلبا تجارتی کمپنی میں ملازمت حاصل کرتے ہیں ادبی میدان میں قدم بڑھانے والے بہت کم رہتے ہیں افسوس کی بات ہے، پھر یہ آج کل کا رجحان ہے اردو کی خدمت کو اپنا پیشہ بنانے والا مشکل سے ملتا ہے خیر"

یوں تو اس مادی دور میں ٹھوس علمی اور ادبی کام کرنے والوں کی ہر جگہ کمی ہے لیکن جاپان میں خصوصیت سے اردو سے دلچسپی لینے والے اور اس کام کے لیے خلوص سے وقف ہو جانے والوں کی کمی ہے مسٹر تاکیشی کو خود اس سلسلہ میں غیر معمولی محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے موصوف نے شعبۂ اردو کی طرف سے اپنے کتب خانہ کی فہرست کتب مرتب کر کے شایع کر دی ہے، یہ پہلی کتاب ہے جو ابھی تک وہاں سے شایع ہو سکی ہے، اس کے علاوہ اردو کے بارہ افسانوں کا جاپانی زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں، افسانے ہلکی پھلکی چیز ہوتے ہیں جو کسی قوم اور ملک کی تہذیب، معاشرت، رسم و رواج، اور انداز فکر وغیرہ کا پتا دیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کی دلچسپی کا سبب ہوتے ہیں افسانوں کے اس ترجمے سے ہمارے آداب اور ہمارے طرز معاشرت سے اہل جاپان جلد متعارف ہو سکیں گے۔ ان بارہ افسانوں میں کرشن چندر کی تخلیق بھی شامل ہے۔

اہل جاپان ہوں یا کوئی اور، غیر زبان سیکھنے کے لیے [اس] کی قواعد کا سیکھنا بہت ضروری ہے تاکہ صحیح الفاظ و ترکیب [ا]چھے بولے اور سمجھے جاسکیں، جاپانی میں اردو کی پہلی قواعد کی [کت]اب مسٹر تاکیشی لکھ رہے ہیں، یہ کتاب کئی لحاظ سے بہت [اہ]م ہوگی۔ اس کے علاوہ موصوف" اردو ناول کے ارتقا" کے [مت]علق ایک مضمون بھی قلم بند فرما رہے ہیں، جو شعبہ کے جریدہ میں [ش]ایع ہوگا۔ ابھی جاپان میں اردو سے متعلق تصنیف و تالیف [ک]ا آغاز ہے جو یقیناً نہایت خوش آیند ہے، اس آغاز کے [ش]اندار انجام کا صرف تصور کیا جاسکتا ہے۔

ٹوکیو یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم کو دو درجات میں تقسیم کرلیا [گ]یا ہے، جونیر کلاس میں حروف تہجی سے تعلیم شروع کرتے ہیں اور [طل]با کو سینیر درجات کے لیے تیار کردیتے ہیں۔ سینیر کلاس میں [ت]اریخ ادب اردو کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام بھی لازم ہے، [ا]س کے علاوہ کرشن چندر کے افسانے اقبال کی منظومات اور [دیگر] ادیبوں اور شعرا کی تخلیقات اور کارناموں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نصاب میں" تاریخ کو خاص اہمیت دی گئی ہے جو یقیناً بہت ضروری ہے، اندازہ یہ ہوتا ہے کہ وہاں پڑھنے اور بولنے کی تعلیم پر زور زیادہ دیا جاتا ہے لیکن لکھنے کی مشق کما حقہٗ نہیں کرائی جاتی، یہ کمی ٹائپ سے پوری کرلی جاتی ہے، شعبہ کے پاس ٹائپ رائٹر موجود ہے۔ اس کے باوجود تحریر کی مشق کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اس طرف بہر حال مزید توجہ کی ضرورت ہے۔

مسٹر تاکیشی نے ہمیں اپنے کتب خانہ کی مطبوعہ فہرست کا ایک نسخہ عنایت کیا ہے، اس کا تعارف شمع ادب سلطانپور کے ستمبر ۱۹۶۲ء کے شمارہ میں شایع کراچکا ہوں لیکن اس صحبت میں بھی ان کا ذکر نامناسب نہیں معلوم ہوتا۔

کیٹلاگ کی ضخامت ایک سو آٹھ صفحہ کی ہے، نہایت عمدہ کاغذ، دیدہ زیب کتابت (ٹائپ) اور چھپائی سے مزین ہے، مندرجات جاپانی اور انگریزی زبانوں میں ہیں، تمہیدی حصص جن میں شعبۂ اردو کی قدم بہ قدم ترقی کا ذکر ہے صرف جاپانی میں ہیں کیا اچھا ہوتا اگر ان کا انگریزی ترجمہ بھی شامل کردیا جاتا اس سے کتاب کی اہمیت اور افادیت میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا۔ کتابوں کی فہرست صرف انگریزی زبان میں ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں ملکی زبان کے علاوہ انگریزی کی تعلیم بھی عام ہے، ٹوکیو یونیورسٹی سے اردو میں گریجویشن کرنے والے ہر طالب علم کو کم از کم تین زبانیں سیکھنی پڑتی [ہ]یں، جاپانی، انگریزی اور اردو، میں نہیں کہہ سکتا کہ فارسی کی طرف ان کی توجہ ہے یا نہیں لیکن جس انداز سے جاپان میں اردو کی تعلیم ہوتی ہے اس کے پیش نظر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اردو کے بعض طلبا کو فارسی اور بعض کو ہندی ضرور سکھائی جاتی ہوگی، ویسے وہاں پر ہندی کے شعبہ کو ابھی تک کچھ زیادہ ترقی نہیں ہوسکی ہے، فارسی کی تعلیم جس قدر بھی ہوتی ہے شعبۂ اردو ہی کی نگرانی میں ہوگی۔ کیٹلاگ میں حسب ذیل پانچ زبانوں کی کتابوں کا ذکر ہے:

اردو ۱۷۰، ہندی ۱۴۰، انگریزی ۶۳۵، جرمن ۶۸، فرینچ ۳۵

یہ تمام کتب ادبیات ہندوستانی سے متعلق ہیں، آخر الذکر چاروں زبانوں میں کوشش کرکے ایسی ہی کتب حاصل کی گئی ہیں جو براہ راست یا بالواسطہ اردو یا ہندوستانی سے متعلق ہیں۔ ہندی کی کتابوں میں سے چند یہ ہیں:

امن گوپی ناتھ۔	اردو اور اس کا ساہتیہ
احمد عباس۔	اندھیرا اجالا
چغتائی مرزا عظیم بیگ۔	چغتائی کی کہانیاں: کوتا ذشر ریکی
ٹنڈن پرتاپ نرائن۔	اردو ساہتیہ کا سرل اتہاس

ان کے علاوہ پریم چند اور کرشن چندر وغیرہ کی متعدد تصانیف جمع کی گئی ہیں،

اردو کے مولد و مسکن سے اتنی دور رہ کر اردو کی خدمت کا جذبہ ہر طرح قابل رشک و تحسین ہے لیکن جتنی دشواریاں پیش آتی ہیں ان کا تصور کیا جاسکتا ہے، اردو کی بعض روایات وہاں الجھن کا سبب بن جاتی ہے مثلاً ہمارے یہاں مصنفین اکثر اپنے نام کے ساتھ انکساری کے سبب "فقیر" لکھتے رہے ہیں، اس سے زیر نظر کیٹلاگ کے مرتبین کو نہایت دلچسپ سہو ہوا، فقیر محمد خاں گویا کے نام میں لفظ "فقیر" کے الحاق کو بھی روایتی سمجھ لیا گیا اور ان کا نام "محمد خاں گویا" لکھا ہے اسی طرح ہندی کتب پر مرزا عظیم بیگ چغتائی کا نام جس طرح لکھا گیا تھا اسے جب رومن میں منتقل کیا گیا تو وہ Ajim, beg ہوگیا ان مثالوں سے پتا چلتا ہے کہ وہاں پر طلبا کے لیے اردو کی تعلیم کس قدر مشکل ہوگی لیکن ان کی ہمتوں پر آفریں ہے کہ وہ بہر حال اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔

مسٹر تاکیشی کی نگاہ ادبیات اردو کے مختلف شعبوں پر گہری ہے انھوں نے مختلف اصناف سخن اور مختلف ادوار سے متعلق کتب فراہم کی ہیں یہ کام یقیناً مشکل تھا لیکن انھوں نے بہت کامیابی سے اسے سرانجام دیا۔ داستانوں میں توبۃ النصوح فسانۂ عجائب، شریف زادہ، خواب ہستی وغیرہ، دواوین میں غالب، داغ، جگبست، اور اقبال وغیرہ کے مجموعے اور کلیات اور تذکروں میں آب حیات، گل رعنا، خمخانۂ جاوید، شعر الہند وغیرہ جیسی اہم چیزیں کتب خانہ میں موجود ہیں، یہ

بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کی توجہ قدیم نسخوں، نادر اور کامیاب مطبوعات پر بھی رہی ہے چنانچہ بعض اہم نسخے انھوں نے فراہم کر لیے ہیں مثلاً:

Ghalib

Kitab urdu-i-Mualla (The urdu-i-Mualla of Ghalib for the degree of honour examination in urdu) calcutta 1883 501 P. 23 cm. The urdu Guide Press.

Azad, Muhammed Husain.

Ab-i-Hayat: Mushahir Shuarae urdu Ke Sawane Umri

. 2 ed. lahore 552 P. 25 cm. Sheikh Mubarak Ali. Haidari, Haider Bakhsh.

Tota Kahani; Tales of a parrot in The Hindustani language; Tarjama Muhammed Qadri Ki Tuti name Ka. London 1852. 146 P. vocabulary 42 P. 25 cm. Crosby Lockweed & Son.

Sauda, Mirza Muhammad Rafi

Muntakhab Kulliyat-i-Sauda 2 ed. (Extracts from The Kulliyat-i-Sauda) calcutta 1868 28 cm. calcutta college Press

کیٹلاگ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ مرتبین کی دلچسپی شعرا میں اقبال اور نثر نگاروں میں کرشن چندر کے ساتھ خاص ہے، ان سے متعلق خصوصیت کے ساتھ بہت اچھا ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے۔ حال ہی میں مسٹر تاکیشی نے اطلاع دی ہے کہ فہرست کی اشاعت کے بعد سے تقریباً دو سو کتب اور حاصل کی جا چکی ہیں، یہ سب اردو کی کتابیں ہیں، ان کے متعلق ابھی تفصیلات عرض کرنے سے قاصر ہوں۔

پچھلے سال تک ہندوستان سے صرف ایک اردو رسالہ "آج کل" دہلی کتب خانہ میں پہنچتا تھا لیکن امسال ستمبر کے مہینے سے راقم سطور نے ہفتہ وار "ہماری زبان" علی گڑھ بھی ان کے نام سے جاری کرا دیا ہے بعض اور رسالوں کے ٹوکیو پہنچنے کی کوشش جاری ہے، در اصل ہماری کتابیں بھی عجیب ہیں کہ وہ ہم سے اتنی دور ہو کر ہماری زبان و ادب کے لیے دامے درمے

سخنے قدمے وقف ہیں اور ہماری بے نیازی کا عالم دیدنی ہے پہلے خط میں مجھے دہلی کے ایک کتب فروش کی شکایت ملی جس نے تقریباً سو روپے وصول کر لیے لیکن کتابیں بھیجنے کی زحمت نہیں کی، ایسی حرکتوں سے اردو کے مفاد کو جو نقصان پہنچتا ہے اس سے قطع نظر ملک کی بھی خاصی بدنامی ہوتی ہے۔

راجستھان ساہتیہ اکیڈمی کے وظیفے

راجستھان ساہتیہ اکیڈمی نے اپریل ۱۹۶۵ء سے راجستھان کے تین اردو ادیبوں، صولت ٹونکی، عرشی اجمیری اور سید فضل المتین کی ادبی خدمات کے پیش نظر ان کے نام ماہانہ ۵۰ روپے وظیفہ دینا طے کیا ہے صولت ٹونکی اور پارسا صاحب جے پوری کو پہلے سے وظیفہ مل رہا ہے۔

صولت ٹونکی اور عرشی اجمیری راجستھان کے بزرگ اور کہنہ مشق شاعر ہیں اور سید فضل المتین جانے پہچانے لکھنے والوں میں ہیں اور ان کے متعدد مضامین نظم و نثر شائع ہو چکے ہیں، خوشی کی بات ہے کہ ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کیا گیا

(نامہ نگار)

لسانی اقلیتی کمشنر کا دورۂ راجستھان انجمن ترقی اردو جھنجھنوں کی سرگرمیاں

جیسے ہی الٰہ آباد سے کمشنر لسانی اقلیت کا مراسلہ دفتر انجمن ترقی اردو جھنجھنوں میں موصول ہوا اور کارکنان انجمن کو یہ معلوم ہوا کہ کمشنر موصوف ناگور میں انجمن کے وفد سے ملنے کے خواہش مند ہیں فوراً تیاریاں شروع ہو گئیں اور جناب اعجاز الٰہی صاحب ایڈوکیٹ تمام متعلقہ کاغذات کے ساتھ مورخہ ۱۸ر نومبر کو ناگور کے لیے روانہ ہو گئے مورخہ ۱۹ر نومبر کو جملہ مسائل پر کمشنر صاحب سے خوشگوار اور نتیجہ خیز گفتگو ہوئی زندہ دل اور خوش اخلاق کمشنر نے انجمن ترقی اردو جھنجھنوں کے نوجوان صدر سے نہایت خوش اخلاقی و سنجیدگی سے گفتگو کی اور اردو کے سلسلے میں جن مشکلات کا سامنا اس علاقہ کو کرنا پڑ رہا ہے انھیں پوری طرح دور کرنے کا وعدہ کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں کچھ اعداد و شمار طلب کیے ہیں تاکہ فوری طور پر موثر کارروائی ہو سکے۔ انجمن ترقی اردو جھنجھنوں نے اپنے صدر اعجاز الٰہی صاحب کی رہنمائی میں ضلع جھنجھنوں کے یہ اعداد و شمار جمع کرنے شروع کر دیے ہیں عنقریب ایک مکمل یادداشت اس سلسلے میں الٰہ آباد روانہ کی جائے گی۔

(سکریٹری انجمن ترقی اردو جھنجھنوں، راجستھان)

بقیہ صفحہ ۴ کا

پیش کرتے ہیں کہ پھر شاعر کو ہر چھوٹے بڑے مشاعرہ میں بلایا جائے گا اس دلیل میں زیادہ وزن نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی مشاعرہ کی دعوت قبول کرنا یا نہ کرنا شاعر کے اختیار میں ہے۔

تیسرے نمبر پر سامعین کے فرائض کا سوال پیدا ہوتا ہے سامعین میں ہر مزاج اور طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ مگر ایک قدر غالباً سب میں مشترک ہوتی ہے یعنی ذوق و شوق شعری جو ان کو کشاں کشاں مشاعرہ گاہ میں لاتا ہے وہ اگر یہ توقع لے کر آئے ہیں کہ سب شعر اچھے سننے کو ملیں گے۔ تو یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اگر ان کا ارادہ یہ ہے کہ وہ صرف اچھے شعر سنیں گے اور ترنم سے سنیں گے اور باقی پر ہڑبونگ مچائیں گے تو یہ ان کی نادانی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ نہ صرف اچھے شعر پر داد دیں بلکہ ناپسندیدہ شعر پر بے داد کا اظہار نہ کریں۔ جمود خواہ زندگی میں ہو یا مشاعروں میں وہ کوئی صحت مند پہلو نہیں ہے مگر جمود کو اس طرح نہ توڑنا چاہیے کہ توازن کی صورت میں نمودار ہو۔ اپنا معیار شعر اس قدر بلند رکھنا چاہیے کہ شاعر کو پست اشعار پڑھنے کی ہمت نہ ہو۔ اچھا ترنم شعر کے حسن کو بڑھا ضرور دیتا ہے مگر شعر کی افادیت اور اہمیت بغیر ترنم کے بھی قائم رہتی ہے۔ سامعین کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس امر کا خاص خیال رکھیں کہ وہ کسی سرود کی محفل میں نہیں مشاعرہ گاہ میں ہیں۔ وہ گانے کی داد دینے نہیں بلکہ شعر کی داد دینے آئے ہیں۔ اگر مشاعرہ میں ہڑبونگ ہوگی تو دوسرے لوگ ہماری تہذیب کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے اور ہمیں اردو کی خدمت کا دعویٰ کہاں تک زیب دے گا۔ اگر یہی صورت حال رہی تو مشاعرے کی رسم ہی کو بند کرنا پڑے گا۔ اگرچہ اس تہذیبی ادارے کا موقوف ہونا ایک افسوسناک امر ہوگا۔

یہ مضمون طویل ہو گیا ہے۔ مگر منتظمین کے فرائض کے ذکر کے بغیر یہ نا تمام رہ جاتا ہے اس لیے کہ اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی منتظمین مشاعرہ کی ذات ہے دو امور کی طرف تو سرور صاحب کے الفاظ میں اپنے خیال کی ترجمانی کر دینا کافی ہے۔

"منتظمین جب کسی کو صدارت کی دعوت دیں
تو اس سے یہ وعدہ لے لیں کہ وہ آخر تک
مشاعرہ کی صدارت کرے گا۔ ....
..... ڈائس پر صرف صدر اور پڑھنے والا
بیٹھے۔ شعرا اور سامعین پڑھنے والے کے
سامنے ہوں۔"

بظاہر یہ دونوں باتیں بہت عام معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں باتوں کا بہت کم خیال رکھا جاتا ہے مشاعرے کی صدارت کے سلسلہ میں اس قدر اجازت دیجئے کہ کسی وزیر یا وزیر یا اس قبیل کی شخصیت سے نہ صدارت کرائی جائے۔ اگرچہ یہ بات عجیب سی ہے کہ گویا اس طبقہ کو شعر و سخن سے کوئی واسطہ نہیں ہے؟ ایسا ہرگز نہیں (اگرچہ بیشتر ایسا بھی ہوتا ہے) بلکہ ان کے ذمے ملک کی اتنی بڑی ذمہ داریاں ہیں کہ درمیان سے ان کا اٹھنا ناگزیر ہوتا ہے۔ ان کے اٹھتے ہی سامعین کا وہ طبقہ جو وزیر صاحب کی خوشنودی کے لیے آیا ہے۔ اپنے وجود کو غیر ضروری خیال کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محفل میں انتشار اور برہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ سامعین کی تعداد کم ہے تو اتنا برا اثر نہیں پڑتا جتنا درمیان سے چند اشخاص کے اٹھ جانے سے۔

عموماً یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شعرا کی برہمی کی وجہ ان کے پڑھنے کی ترتیب ہوتی ہے ہر شاعر کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا نمبر آخر میں آئے تاکہ اس کا شمار اساتذہ میں کیا جا سکے۔ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ کوئی ترتیب قائم نہ رکھی جائے۔ کسی استاد کو سب سے پہلے پڑھوا دیا جائے تاکہ یہ سوال ہی نہ اٹھے۔ عرصہ ہوا جگر صاحب بمبئی کے کسی مشاعرہ میں شریک تھے اور سب سے پہلے انھوں نے اپنا کلام سنایا۔ اس کے بعد یہ زنجیریں خود بخود ٹوٹ گئیں کہ افضلیت کس کو حاصل ہے۔ دوسری ترتیب یہ بھی ممکن ہے کہ اگر فہرست پہلے سے تیار ہے تو حروف کی تہجی کی رعایت سے شعرا کو بلایا جائے۔ اچھے متوسط اور معمولی شعرا کی یہ ترتیب مشاعرے کے لطف کو برقرار رکھے گی اور کوئی شاعر احساس برتری یا احساس کمتری کا بھی شکار نہ ہوگا منتظمین کو اس امر کا خیال بھی رکھنا چاہیے کہ شعرا کی تعداد مختصر ہو۔ منتظمین اس امر کا بھی لحاظ رکھیں کہ شعرا اپنے تازہ کلام کے ساتھ مشاعرہ میں شرکت کریں۔ وہ ان غیر معروف شعرا کو بھی موقع دیں جن کی صلاحیت اگر منظر عام پر آ جائے تو شاید اپنے وقت کے حسرت اور جگر ہوں۔ دلی کے مشاعروں کا تجربہ یہ ہے کہ وہی ہر سال آنے والے شاعر آتے ہیں اور گزشتہ مشاعروں کی پڑھی ہوئی غزلیں سنا جاتے ہیں۔ اس کو روکنے کی سخت ضرورت ہے۔

یہ چند منتشر خیالات تھے جو جذبات کی رو میں صفحۂ قرطاس پر آ گئے۔ اگر ہم اپنے مشاعروں کو سلیقے سے ترتیب دینے میں کامیاب اور اس سلسلہ میں شعرا منتظمین اور سامعین کو جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان سے عہدہ برآ ہو سکے تو یقین جانیے کہ یہ اردو کی وہ خدمت ہوگی جس کا کوئی جواب نہیں یہ ایک ایسا انقلاب ہوگا جس پر آنے والی نسلیں فخر کریں گی۔

اصلاحات

مرحوم اور آنجہانی

"لطف اللہ مہندس" کے بارے میں میری درخواست پر "ہماری زبان" کے ذریعے جو معلومات بہم پہونچائی گئی ہیں پہلے اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں اس کے بعد "مرحوم اور آنجہانی" کے متعلق کچھ عرض کرتا ہے۔ اس گذارش میں تاخیر کا سبب یہ ہے کہ میں منتظر رہا کہ اہل علم حضرات میں سے کوئی صاحب اس طرف توجہ فرمائیں مگر حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی کے سوا کسی صاحب نے زحمت نہ فرمائی۔ مولانا صاحب کی بات نہایت معقول تھی مگر اس کی حیثیت جواب کی نہ تھی۔ اب "ہماری زبان" مورخہ ۸ر نومبر ۱۹۶۲ء میں جناب گیان چند صاحب کے سوال کا جواب جناب جگن موہن صاحب نے دیا ہے یہ جواب خلاف توقع تو نہیں ہے مگر یہ جواب کے علاوہ کوئی چیز ہے اسی لیے جملہ معترضہ کا ٹکڑا اس میں جوڑ دیا گیا ہے۔ اس موقع پر اگر یہ بھی تشریح کر دی جاتی تو اچھا تھا کہ کیا مسلمانوں کے علاوہ دوسرے اہل مذہب اپنے اوتاروں اور بزرگوں سے زیادہ افضل اور ممتاز دوسروں کے بزرگوں کو سمجھتے ہیں؟ کیا سچائی سے زیادہ یہ بات نہیں دیکھی جاتی کہ یہ سچائی اپنی قوم اور اپنے ملک کی ہے یا دوسری قوم اور دوسرے ملک کی؟ اگر عام مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ غیر مسلموں پر خدا کی رحمت نازل نہیں ہوتی" تو یہ جرم بھی مسلمانوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے دوسرے حضرات بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مسلم عوام تو تمام ملکی اور غیر ملکی پیغمبروں کا ادب احترام کرتے ہیں صرف ان کو پیغمبر تسلیم نہیں کرتے جو پیغمبر اسلام کے بعد آئے ہیں اس لیے یہ الزام غلط ہے کہ مسلمانوں کے خیال میں غیر مسلموں پر خدا کی رحمت نازل نہیں ہوتی کیوں کہ مسلمان اپنے سے پہلے کی امتوں کو حق پر سمجھتے ہیں۔ میں نے عام کی قید اس لیے لگائی کہ یہ عقیدہ قرآن سے اس طرح ثابت نہیں ہے لیکن اس موقع پر یہ تفصیل بے محل ہے۔ اب اصل سوال کی طرف توجہ فرمایئے۔

ابتدا میں جو الفاظ کوئی شخص وضع کرتا ہے وہ ضرور سوچ کر کرتا ہے اور پھر جب وہ رائج ہو جاتے ہیں تو بغیر سوچے سمجھے استعمال ہوتے رہتے ہیں اس لیے ابتدا کرنے والوں کو ذمہ دار گردانا جا سکتا ہے۔ چنانچہ رواج ایسا ہے کہ عام مسلمانوں کو مرحوم کہا جاتا ہے اولیا اور صالحین کو رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کو رضی اللہ عنہ اور پیغمبروں کو علیہ السلام حالانکہ ان کے معنی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے مگر اس کے خلاف لکھنا گوارا نہیں کیا جاتا اور رواج کو معنی پر فوقیت دی جاتی ہے۔ اسی ضمن میں آنجہانی کا لفظ ہے کہ اب یہ لفظ سوچ کر استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس لفظ کے وضع کرنے والے کا عقیدہ کیا تھا لیکن قیاس سے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔

ہندو فلسفے میں موت کوئی چیز نہیں ہے ہندو مرنے کے بعد کسی دوسرے جہاں میں نہیں جاتا بلکہ اپنے کرموں کے پھل بھوگنے کے لیے اسی دنیا میں دوسرا جنم لیتا ہے۔ اس لیے صحیح معنی میں اُسے آنجہانی بھی نہیں کہہ سکتے۔ لیکن پھر کیا کہنا چاہیے؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب معلوم کرنا ہے۔ اس کے علاوہ ہندو مذہب کی رو سے کرم یعنی عمل کا نتیجہ بھگتنا ضروری ہے جس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ تو پھر خدا کے رحم کرنے کا کیا سوال ہے اور مرحوم کس بنا پر لکھنا جائز ہوگا؟ یہ بھی ایک سوال ہے۔ البتہ وہ لوگ جو کرم کے چکر سے چھوٹ گئے ہیں، دوبارہ جنم سے بھی آزاد ہو گئے ہیں اور انھوں نے مکتی حاصل کر لی ہے۔ ان کو آنجہانی اس معنی میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس دنیا اور اس کے آواگون سے نجات پا گئے۔ مرحوم تو ان گناہ گاروں ہی کو کہنا مناسب ہے جو اپنے اعمال کے اعتبار سے سزا کے مستوجب تھے مگر خدا نے ان پر رحم کر لیا اور ان کو معاف کر دیا۔

سیکش اکبرآبادی

چند اصطلاحیں

مجھے مندرجہ ذیل اصطلاحوں کے اردو مترادفات درکار ہیں۔

Bureaucracy, zoochemy, Zoography, zoolatry
Zoonomy, Zootomy, Abacus, Morphology

(بیوروکریسی کا ترجمہ دفتر شاہی ہے۔ دوسری اصطلاحوں کے ترجموں کیلئے ماہرین حیوانیات سے تعاون کی درخواست ہے۔ ادارہ)

(ایم کمال)

جواب استفسار

ہماری زبان کے ۲۲ر نومبر کے شمارے میں ایک صاحب نے مشہور شعر

یاد ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

کے بارے میں دریافت کیا ہے کہ یہ کس کا کہا ہوا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ یہ شعر حفیظ جالندھری کا ہے۔

(اکبر علی خاں)

میرؔ کی سیادت

ہماری زبان کے ۲۲ر نومبر کے شمارے کے صفحہ دس پر محمد انصار اللہ صاحب نظرؔ کا جو مراسلہ درج بالا عنوان سے شایع ہوا ہے اس میں نظرؔ صاحب کو یہ تسامح ہوا ہے کہ وہ یہودیوں کی طرح مسلمانوں کو بھی مادری سلسلۂ نسب کا پابند سمجھتے ہیں اور چونکہ میر تقی میرؔ کے ماموں کا نام سراج الدین علی خاں تھا بنابریں وہ میرؔ کو سید ماننے میں متامل ہیں۔

حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں نسب کا سلسلہ باپ سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کی ازواج سیدانیاں نہیں تھیں لیکن اس کے باوجود ان دونوں حضرات کی اولاد کو سید تسلیم کیا جاتا ہے پھر اگر میر تقی میرؔ کی ماں پٹھانی یا شیخانی تھیں تو ان کی سیادت معرض خطر میں کیوں آئے؟

نوابانِ اودھ کے متعلق بھی نظرؔ صاحب کی لظر نے دھوکا کھایا ہے یعنی اس خاندان کے بانی دکزانی الاصل داعلیٰ مورث (اعلیٰ) شیخ صفی الدین اردبیلی، نہیں تھے بلکہ سید محمد امین نیشاپوری تھے لیکن سید محمد امین کے بھانجے مرزا محمد مقیم صفدر جنگ سید نہیں تھے اور قیصر التواریخ وغیرہ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ صفدر جنگ اور ان کی اولاد و احفاد نے واجد علی شاہ کے عہد یعنی اختتام حکومت اودھ تک کبھی بھی سیادت کا دعویٰ نہیں کیا۔

کیا خوب ہو اگر میرؔ کی سیادت پر کوئی صاحب سیر حاصل مقالہ سپرد قلم فرمائیں۔

(محمد عباس طالب صفوی)

یوم صفیؔ

دکن کے عظیم المرتبت استاد سخن حضرت صفیؔ اورنگ آبادی (۲۴ر فروری ۱۸۹۳ - ۲۱ر مارچ ۱۹۵۴ء) کی دسویں برسی ادبستان صفیؔ کے زیر اہتمام شاندار پیمانہ پر منائی گئی۔ ۲۰ر نومبر کو بعد نماز جمعہ حضرت صفیؔ کے مزار پر ادبستان صفیؔ ادارۂ ادبیات اردو اور انجمن ترقی اردو کی طرف سے چادر گل چڑھائی گئی اور اسی شام ۶ بجے ریاستی وزیر داخلہ نواب میر احمد علی خاں صدر ریاستی انجمن ترقی اردو کی صدارت میں ادبی اجلاس منعقد ہوا نواب میر عابد علی خاں ایڈیٹر روزنامہ "سیاست" نے حضرت صفیؔ کی تصویر کی نقاب کشائی فرمائی۔ جناب اوجؔ یعقوبی آرگنائزر یوم صفیؔ نے خیر مقدمی تقریر پڑھی اور نواب عسکر نواز جنگ نے خطبۂ استقبالیہ سنایا۔ ریڈیو آرٹسٹ سید حسین علی نے صفیؔ کا کلام ترنم سے سنایا۔ صفیؔ کی شخصیت کلام کے آئینے میں، صفیؔ زبان کا شاعر، صفیؔ کی فکر، صفیؔ دیدہ و شنیدہ اور صفیؔ کی غزل کے زیر عنوان علی الترتیب سید مصطفےٰ کمال، صعادت نظیر (ایم۔اے)، پروفیسر سید عالم خوند میری، محمود عبد القدیر اور پروفیسر حکیم یوسف حسین خاں صاحبان نے مقالے پڑھے اور صفیؔ کے فکر و فن کو خراج عقیدت ادا کیا۔ صلاح الدین نیرؔ، بشیر النساء بشیرؔ اور وقار خلیل صاحبان نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ وقار خلیل ادبی اجلاس کے کنوینر تھے۔

۲۱ر نومبر کو یوم صفیؔ کے سلسلے میں کل ہند مشاعرہ میر عابد علی خاں ایڈیٹر "سیاست" حیدرآباد کی صدارت میں بمقام دیوڑھی مکرم الدولہ واقع پتھر گٹی منعقد ہوا۔ جس میں پروفیسر فراقؔ گورکھپوری نذیرؔ بنارسی، حفیظؔ بنارسی، محترمہ سیدہ اختر، کیلاش ماہرؔ۔ دہلی صابرؔ شاہ آبادی، زاہد کمال (پونہ) اور پروفیسر راہیؔ قریشی کے علاوہ حیدرآباد کے چند شعراء نے کلام سنایا۔ اوجؔ یعقوبی صاحب اور خواجہ شوقؔ صاحب کی کاوشوں سے یوم صفیؔ اور مشاعرہ بہ اشتراک "ساہتیہ سنگم" بہت کامیاب رہا۔

(ابن ناقی)

ہندوستانی کتابوں کی لائبریری

برطانیہ میں مقیم دو ہندوستانی باشندوں مسٹر چنچل سنگھ اور جے۔ ایس۔ دوسانجھ نے اپنی کوششوں سے ناٹنگھم کے قریب ویسٹ بریجفورڈ کے مقام پر ہندوستانی کتابوں کی ایک لائبریری قائم کی ہوئی ہے جو کہ ہندوستانی باشندوں کے لیے بہت مفید ثابت ہو رہی ہے۔ مسٹر چنچل سنگھ لائبریرین اور مسٹر دوسانجھ اس لائبریری کے سیکریٹری ہیں۔

(پندرہ روزہ برطانیہ، نئی دہلی)

پنجاب میں اردو کے لیے پرزور سرگرمیاں

پنجاب کے محبانِ اردو کی سرگرمیاں تیز ہو رہی ہیں۔ گزشتہ دنوں پٹیالہ میں صوبائی سطح پر اردو پرستوں کی ایک کنونشن بلانے کا جو فیصلہ ہوا تھا اس کو عملی جامہ پہنانے اور ہر شہر کے اردو دوستوں کو ایک مرکز پر لانے کے لیے مختلف شہروں کے محبانِ اردو کے اجتماعات کی خبریں موصول ہو رہی ہیں پٹیالہ میں کیے گئے متذکرہ صدر فیصلہ کے مطابق جناب کل جیت ساغر شفائی نے نابھ جاکر وہاں کے اردو پرستوں کی ایک میٹنگ بلائی اور ان کے سامنے کنونشن کا پروگرام پیش کیا۔ اس میٹنگ نے انجمن ترقی اردو کے بے پور اجلاس میں پنجاب سے متعلق پاس ہوئی قرارداد کی تصدیق کرنے کے بعد صوبائی اردو کنونشن کے لیے ہر تعاون کا یقین دلایا۔ عنقریب مقامی اردو دوست نابھ میں ایک بڑا اجتماع کریں گے۔ صوبائی کنونشن کی کامیابی کے لیے تیاری کا پروگرام مرتب کریں گے۔ میٹنگ کی صدارت بزرگ مقامی شاعر جناب کیدار ناتھ کمتر نے فرمائی۔ مشہور محقق جناب دیویندر ودیارتھی نے پنجاب میں اردو تحریک کے لیے ہر ذمہ داری قبول کرنے پر اظہار آمادگی کیا۔ ان کے علاوہ جناب کنور چوہان۔ شری بیرسرام جرنلسٹ اور جناب سرشار کے نام بھی قابل ذکر ہیں —— برنالہ۔ مالیر کوٹلہ۔ اور چنڈی گڑھ میں بھی ایسی میٹنگوں کے انعقاد کی خبر موصول ہوئی ہے۔ (سورج تنویر۔ چنڈی گڑھ پنجاب)

بہار انجمن میدان عمل میں

۲۷ر نومبر۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے دفتر کی اطلاع ہے کہ بہار اسٹیٹ اردو ابتدائی تعلیم کونسل کی اسکیم کو بروئے کار لانے کی غرض سے ایک آرگنائزر اور ایک آفس سکریٹری کی بحالی عمل میں آچکی ہے۔ افتخار احمد صاحب ایم اے (گولڈ میڈلسٹ) آرگنائزر مقرر ہو چکے ہیں اور عبدالمنان آفس سکریٹری بحال کیے گئے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ یکم دسمبر سے کام زور شور سے شروع ہو جائے گا۔ خبر ملی ہے کہ سب سے پہلے پورنیہ ضلع اور اس کے بعد پٹنہ کارپوریشن ایریا میں اسکیم پر عمل کیا جائے گا۔ بعد ازیں پوری ریاست میں اسی تجربے کی روشنی میں اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جائے گی۔ (سنگم پٹنہ)

انجمن ترقی اردو کا جلسہ

بھوپال ۲۰ر نومبر۔ گزشتہ شب شہری کمیٹی انجمن ترقی اردو کا جلسہ حضرت وکیل بھوپالی کی صدارت میں منشی اقتدار علی کے مکان پر منعقد ہوا۔ جلسہ میں ریاستی انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری مسٹر ایم عرفان اور نائب صدر مسٹر شریق عثمانی نے مرکزی انجمن ترقی اردو ہند کے دستور میں ترمیم کرنے والی کمیٹی کے فیصلوں اور انجمن کے آئندہ کے پروگرام اور تنظیم پر روشنی ڈالی۔

بحث میں جن لوگوں نے حصہ لیا ان میں حضرت کوثر چاندپوری مسٹر آفاق احمد مسٹر اطہر راہی۔ مسٹر حنیف نقوی، مسٹر اختر سعید، مسٹر فضل تابش، مسٹر قاسم نیازی، مسٹر قمر جمالی، مسٹر عشرت قادری، منشی اقتدار علی وغیرہ شامل ہیں۔

(ندیم بھوپال)

چیک شاعر کی نوّویں سالگرہ

پراگ ۱۷ر نومبر: چیکو سلاواکیہ کے شاعر اور سائنس داں جوزف کوپن نے ۷ر اکتوبر کو اپنی نوّویں سالگرہ منائی۔

انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز فرانسیسی زبان کی لغت تیار کرکے اور فرانس کے ۱۹ ویں صدی کے شاعروں کے کلام کا ترجمہ کرکے کیا۔ اس صدی کی ابتدا میں انھیں لوک گیتوں اور کتھاؤں سے دلچسپی ہو گئی اور انھوں نے انھیں جمع کرنا شروع کیا اور اپنی زبان میں انھیں بیان کیا۔ ۱۹۴۹ء میں انھیں ریاستی انعام دیا گیا اور ۱۹۶۲ء میں انھیں محنت کا تمغہ ملا۔

(روشنی پٹنہ)

منشی دوارکا پرشاد افق کی ولادت کا صد سالہ جشن

دلی۔ ملک الشعرا منشی دوارکا پرشاد افق لکھنوی کی ولادت کا صد سالہ جشن گزشتہ دوشنبہ کو دلی پبلک لائبریری ہال میں نہایت اہتمام کے ساتھ منایا گیا۔ حضرت افق کی تصویر کی نقاب کشائی کی رسم کرنل بی۔ ایچ زیدی ممبر پارلیمنٹ نے ادا کی اور جلسہ کا افتتاح کیا۔ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کے جنرل سکریٹری پروفیسر آل احمد سرور نے اس تقریب کی صدارت کی۔ افق سینٹیری کمیٹی کے چیرمین جناب گوپی ناتھ امن نے اپنی تعارفی تقریر میں حضرت افق کے ادبی کارناموں پر مختصر روشنی ڈالی اور ان کی اہمیت بیان کی۔

پروفیسر آل احمد سرور نے اپنے صدارتی خطبہ میں اردو کی ترویج و ترقی میں ہندو مسلمانوں کی مشترکہ خدمات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت افق کی تصانیف و تراجم کا تفصیلی جائزہ لیا اور ان کے ادبی کارناموں کی اہمیت جتائی۔ انھوں نے کہا اپنے ماضی سے منھ موڑنے والا اپنا مستقبل بھی نہیں بنا سکتا اور ماضی میں ماضی قریب اور ماضی بعید سبھی شامل ہیں۔ جلسہ میں دلی کے ادیبوں اور شاعروں و دیگر معززین نے کافی تعداد میں شرکت کی۔ (قومی آواز لکھنؤ)

مالک انجمن ترقی اردو ہند۔ علی گڑھ۔ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا، اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔